مسئلہ تملیک فی الزکوٰۃ

از

جناب مرزا محمد یوسف صاحب

اُستاذ عربی مدرسہ عالیہ رام پور (یوپی)

۲۔ دلائل کی تنقیح

پہلی دلیل کی تنقیح

(۲)

تملیک کے رکنِ زکوٰۃ ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار ادائیگی زکوٰۃ کے سلسلے میں فرماتا ہے۔

"وآتوا الزکوٰۃ"

اور "ایتار" یا دینے کے فعل کا امتثال "موتی لہ" کو شیئ "موتی بہ" کا مالک بنائے بغیر متصور نہیں ہو سکتا جیسا کہ کاشانی نے بدائع صنائع میں کہا ہے

"الایتاء ھو التملیک"

کیوں کہ "دینا" متعدی بدو مفعول ہے جس میں مفعول اول "شیئ موتی بہ" اور مفعول ثانی "شخص موتی لہ" دینے کا عمل ان دو تصورات کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا یعنی "شیئ موتی بہ" کا اپنی ملکیت سے جُدا کرنا اور "موتی لہ" کی ملکیت میں منتقل کرنا یا "موتی لہ" کو شیئ "موتی بہ" کا مالک بنا دینا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جلی اور واضح بالذات جیسے دوا ور دو کا چار ہونا یا زوج کا منقسم

بمتساویٔ بین ہونا اور اس لئے اپنے وضوح و جلا کی بنا پر اپنی صحت کے لئے کسی ثبوت و برہان کی محتاج نہیں ہے ہر انسان جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ادنیٰ شعور بھی عطا کیا ہے وہ اس حقیقتِ ثابتہ کا معترف ہے اور اس روشن حقیقت کی صحت میں شک و شبہ کرنے والے کی صحت ہوش و حواس میں خود اُسے شک و شبہ ہونے لگتا ہے اس کی تفصیل مقدمۂ دلی میں گذر چکی ہے۔

مگر اصلاحی صاحب اس حقیقت ثابتہ کے ثبوت پر بھی مصر ہیں اور اگر منطقی ثبوت فراہم نہ ہو سکے تو اس بدیہی حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں اُن کا پہلا اعتراض یہ ہے۔

"اس میں تو شبہ نہیں کہ ایتار اور تصدق کے الفاظ میں بعض جگہ تملیک کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے، لیکن اس میں بہت کچھ دخل قرینہ اور سیاق سباق کو ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان الفاظ کے اندر تملیک کا مفہوم داخل ہو اور جب یہ بولے جائیں تو تملیک کا مفہوم ان کے اندر سے آپ ہی آپ نکل آئے"[1]

آگے چل کر فرماتے ہیں

"ورنہ ہمیں "آتیناھم الکتاب" (اور ہم نے ان کو کتاب دی) اور "آتینا داؤد زبورا" (اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی) میں بھی تملیک کا مفہوم لینا پڑے گا حالاں کہ ان میں اور اس طرح کے بے شمار استعمالات میں تملیک کے مفہوم کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔"[2]

لیکن یہ سفسطہ محض اور قدح فی البدیہیات ہے جیسا کہ مقدمۂ دلی میں بالتفصیل کہا گیا ہے۔ اس کی مزید توضیح یہ ہے۔

محررہ بالا اعتراض کے سلسلے میں تین تنقیحیں قائم ہوتی ہیں۔

(ا) آیا ایتار کے مصداق میں تملیک کا مفہوم شامل ہے۔

(ب) اگر تنقیح (ا) کا جواب اثبات میں ہے تو "آتیناھم الکتاب" وغیرہ میں

---

[1] ترجمان القرآن جلد ۴۴ عدد ۶ صفحہ ۵۸ [2] ایضاً صفحہ ۵۸

تملیک کا مفہوم کیوں نہیں لیا جاتا۔

(ج) آیا ایثار کے مصداق میں تملیک کا مفہوم لینے کے لئے قرینہ اور سیاق سباق کی حاجت ہے۔

تنقیح (د) کی تین شقیں ہیں

(ا) ایثار کے مصداق میں تملیک کا مفہوم کبھی بھی شامل نہیں ہوتا (سلب کلی کے طور پر) لیکن اس کا کوئی قائل نہیں۔

(اا) ایثار کے مصداق میں تملیک کا مفہوم ہمیشہ بالفعل شامل ہوتا ہے (ایجاب کلی کے طور پر) ہم بھی اس کے مدعی نہیں ہیں۔

(ااا) ایثار کے مصداق میں تملیک کا مفہوم کبھی شامل ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ یہ فیمابین متفق علیہ ہے چنانچہ اصلاحی صاحب بھی کہتے ہیں۔

"اس میں تو شبہ نہیں کہ ایثار اور تصدق کے الفاظ میں بعض جگہ تملیک کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔"

پس یہ طے پایا کہ "ایثار" کے ایک سے زیادہ مدلول ہیں ایک وہ جس میں تملیک کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے اور دوسرے وہ جہاں یہ مفہوم شامل نہیں ہوتا۔

لہذا اب صرف چار صورتیں ہیں:۔

(ا) یا تو "ایثار" اپنے مختلف مفاہیم کی تعبیر کے واسطے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ ابتداءً وضع ہوا ہے، اس صورت میں وہ "مشترک" ہوگا۔

(اا) یا ایک معنی میں متروک ہو گیا اور دوسرے معنی میں مستعمل ہے بلا اس بات کے دونوں معنوں میں کوئی مناسبت ہو، اس صورت میں وہ "مرتجل" ہوگا۔

(ااا) یا ایک معنی میں متروک ہو گیا اور دوسرے معنی میں مستعمل ہے مگر دونوں معنوں میں کوئی مناسبت ہے، اس صورت میں وہ "منقول" ہوگا۔

(iv) یا جس معنی کے لئے وہ ابتداءً وضع ہوا تھا اس میں بھی مستعمل ہے مگر دوسرے معنی کی تعبیر

کے لئے بھی جس کے واسطے وہ وضع نہیں ہوا تھا مستعمل ہے تو پہلے معنی میں وہ "حقیقت" ہوگا اور دوسرے معنی میں "مجاز"

چنانچہ علامہ بہاری نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے

" وھو ان تعدد معناہ فان وضع لکل ابتداءً فمشترک والا فان ترک استعماله فی الاول ونقل الی الثانی لمناسبةٍ فمنقول اولا لمناسبة فمرتجل والا فحقیقة ومجاز "[1]

(۱) اب اگر ایتاء اپنے مختلف معانی میں "مشترک" ہے تو ثابت کرنا پڑے گا کہ

" وہ اپنے افراد مختلف الحدود کو علی سبیل البدل متناول ہے " (نور الانوار) یعنی

" ہر ہر مدلول کے لئے ابتداءً وضع ہوا ہے "[2]

لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ "ایتاء" یا "دینا" اصل میں ایک چیز کا قبضہ دوسرے کو منتقل کرنے کے لئے وضع ہوا ہے - جو تملیک کو مقتضی ہے نہ کہ اس مفہوم کی تعبیر کے لئے جو "اتینا ھم الکتاب" میں مضمر ہے کیوں کہ "لینا" اور "دینا" انسانی معاشرے کی اس منزل میں مستعمل تھا جب کہ انسانی ذہن کتاب اور بالخصوص کتابِ الٰہی کے تصورات سے آشنا نہ ہوا تھا۔ بعد میں جب وہ آسمانی کتاب کے تصور سے آشنا ہوا اور جب اسے اس ملتف اور پیچیدہ مفہوم سے آشنا کرنے کی ضرورت ہوئی کہ :-

" کتاب الٰہی کی تعلیمات سے انسانی معاشرہ مستفید ہوا "

تو اس مفہوم کی تعبیر کے لئے "ایتاء" ہی کا لفظ منتخب کیا گیا اصل معنی میں اور اس نئے معنی میں وجہ مناسبت "انتفاع" ہے -

غرض "ایتاء" کا لفظ اصل وضع میں تو "عطاء شخصی" (Physical Deliverance) کے لئے موضوع ہوا تھا - اور اس مفہوم کے علاوہ اُن مفاہیم میں جو "ایتاء کتاب" میں مضمر ہیں یا اُن بے شمار استعمالات میں جو اصلاحی صاحب کے ذہن میں ہیں وہ ابتداءً وضع نہیں ہوا۔ اس

---

[1] مسلم الثبوت للبہاری جلد اول ص۱۳۵ [2] ایضاً

لئے یہ لفظ ان متعدد استعمالات میں "مشترک" نہیں ہے۔

نیز وہ "مشترک" اپنی تعیین مراد کے لئے تاویل غور کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا حکم اس وقت تک متوقف رہتا ہے جب تک غالب الرائے سے اُس کا ایک معنی مترجح نہیں ہو جاتا جیسا کہ نور الانوار میں ہے۔

"حکمہ التوقف فیہ بشرط التامل لیترجح بعض وجوھہ للعمل بہ"

اور پھر بھی وہ حکم ظنی ہوتا ہے۔ نور الانوار میں ہے۔

"وحکمہ (ای المؤول) العمل بہ علی احتمال الغلط ...... والحاصل انہ ظنی واجب العمل غیر قطعی"

حالانکہ "ایثار" میں یہ بات نہیں ہے کیوں کہ

"اس کا مفہوم اول نظر ہی میں متعین ہو جاتا ہے" نیز

"اُس کا حکم قطعی ہوتا ہے"

پس ثابت ہوا کہ "ایثار" اپنے مختلف استعمالات میں "مشترک" کی حیثیت نہیں رکھتا۔

اسی طرح "ایثار" منقول یا مرتجل بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ اس معنی میں بھی مستعمل ہے جس میں تملیک کا مفہوم شامل ہے اور ان میں بھی جہاں یہ مفہوم شامل نہیں ہوتا۔ نہ ایک معنی میں متروک الاستعمال ہوا نہ دوسروں میں حالانکہ منقول و مرتجل کی شرط اولیں یہ ہے کہ لفظ اپنے پہلے معنی میں متروک ہو گیا ہو۔

لہذا جب یہ لفظ نہ مشترک ہے نہ منقول اور نہ مرتجل تو اب اس کا حقیقت و مجاز ہونا متحقق ہو گیا۔ نیز "ایثار" کے منقول یا مرتجل ہونے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں تردد ہو سکتا ہے تو صرف اس امر میں کہ یہ مشترک ہے یا ایک جگہ حقیقت اور دوسری جگہ مجاز۔ تو تردد کی صورت میں اصول فقہ کا مسلمہ فیصلہ یہ ہے کہ اسے حقیقت و مجاز سمجھنا زیادہ اقرب الی الصواب ہوتا ہے:۔

"المجاز اولیٰ من الاشتراک فیحمل علیہ عند التردد، لان المجاز اغلب بالاستقراء وان الاشتراک مخل بالتفاھم لولا القرینۃ فلا یدل علی انہ ما المراد بخلاف المجاز اذ یحمل المخاطب عند القرینۃ علیہ و دونہا علی الحقیقۃ"[1]

پس "ایتار" کے مصداق میں تملیک کا مفہوم شامل ہے اور وہ اصل وضع میں اسی کے لئے موضوع ہوا تھا۔ یہ اس باب میں اصل ہے لیکن کبھی توسّعاً للمعنی اور کبھی ملتف اور پیچیدہ مفاہیم کی تعبیر کے لئے بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔

(ب) "ایتار" "وآتوا الزکوٰۃ" میں اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہوا ہے اور "آتیناھم الکتاب" میں اپنے مجازی معنی میں اور دونوں میں "انتفاع" وجہ مناسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "آتیناھم الکتاب" میں یا دیگر بے شمار استعمالات میں تملیک کا مفہوم نہیں لیا جا سکتا۔

(ج) "ایتار" افادہ معنی تملیک میں حقیقت ہے اور حقیقت کے مراد لینے میں کسی قرینہ یا سیاق سباق کا دخل نہیں ہوتا قرینہ کی ضرورت تو مجازی معنی مراد لینے میں ہوا کرتی ہے۔ مسلم الثبوت کی تصریح اوپر گذر چکی کہ

"اذ یحمل المخاطب عند القرینۃ علیہ (الی المجاز) و دونہا علی الحقیقۃ"

اس لئے جب تک معنی حقیقی مراد لئے جا سکتے ہیں لئے جائیں گے اور قرینہ یا سیاق سباق کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ نور الانوار میں ہے:-

"ومتی امکن العمل بہا سقط المجاز"

ہاں جب دلالت عادت، دلالت لفظ، دلالت معنی، دلالت محل کلام اور سیاق نظم سے معنی حقیقی کا لینا متعذر ہو جائے گا تو حقیقی معنی متروک کر دئے جائیں گے اور مجازی معنی لئے جائیں گے بناءً علیہ جب "ایتار" کا لفظ حقیقتاً مستعمل ہوگا تو تملیک ضرور مراد ہوگی اور یہی کاشانی نے بدائع صنائع میں کہا ہے کہ:-

---

[1] مسلم الثبوت للبہاری صـ۳۵ جلد اول

"والایتاء ھو التملیک"

اس سلسلے میں اصلاحی صاحب کو دو اعتراض اور ہیں۔

اولاً :- "قرآن میں جہاں کہیں بھی " اتوا الزکوٰۃ " یا " تصدقوا " وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں متبادر مفہوم ان الفاظ کا صرف یہی ہے کہ زکوٰۃ دو اور صدقہ دو۔ سارا زور صدقہ اور زکوٰۃ ادا کرنے پر ہے اس سے بحث نہیں کہ یہ ادائیگی تملیک فقیر کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔ یہ چیز " آتوا " اور " تصدقوا " کے الفاظ سے نہیں نکلتی"[1]

اس اعتراض کو دو آتشہ بنانے کے لئے مخصوص طنزیہ انداز میں فرماتے ہیں :-

" پہلی آیت (فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم) میں اللہ تعالےٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ان سے تعرض نہ کیا جائے یا یہ بتانا چاہتا ہے کہ جب تک یہ تملیک فقیر نہ کریں ان کا پیچھا نہ چھوڑا جائے"[2]

اس اعتراض کا جواب تیسری دلیل کے سلسلے میں دیا جائے گا۔

ثانیاً :- " یہ لفظ (" والذین یؤتون ما اٰتوا وقلوبھم وجلۃ " کا ایتاء) متعدد جگہ قرآن میں تملیک اجتماعی کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے"[3]

اس اعتراض کا جواب دوسری دلیل کے سلسلہ میں آرہا ہے کیا اچھا ہوتا کہ اصلاحی صاحب

(۱) اس کی مثالیں بھی دے دیتے اور

(۲) یہ بھی وضاحت فرما دیتے کہ " تملیک اجتماعی " سے اُن کی کیا مراد ہے تاکہ جواب میں آسانی ہو جاتی۔

دوسری دلیل کی تنقیح

۲۔ تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور صدقہ کی حقیقت فقیر کو مال صدقہ کا مالک بنا دینا ہے جیساکہ ابن الہمام نے

[1] ترجمان القرآن جلد ۴۰ ص ۴۹ [2] ایضاً [3] ایضاً

فتح القدیر میں لکھا ہے

"التملیک وھو الرکن فان اللہ تعالیٰ سماھا صدقۃ وحقیقۃ الصدقۃ تملیک المال من الفقیر۔"

یہ ایک معروف حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے مگر اصلاحی صاحب کو اس میں بھی دو اعتراض ہیں۔

اولاً:۔ وہی جو "الایتاء ھو التملیک" کے سلسلے میں انھوں نے کیا ہے۔ اس کا جواب بالتفصیل پہلی دلیل کی تنقیح کے سلسلے میں گذر چکا ہے۔

ثانیاً:۔ تصدق کا مطلب مختلف طریقوں سے اللہ کی راہ میں اور غربار کی بہبود کے کاموں میں فیاضی کے ساتھ اپنا مال خرچ کرنا ہے قطع نظر اس کے کہ تملیکِ فقیر ہو یا نہ ہو۔"

اسی قسم کے اعتراض انھوں نے "الایتاء ھو التملیک" کے سلسلہ میں بھی کیا تھا اگرچہ مبہم طور پر یہ لفظ (یعنی والذین یوتون ما اٰتوا وقلوبھم وجلۃ "کا ایتار) متعدد جگہ قرآن میں تملیکِ اجتماعی کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔"

اس اعتراض کے جواب سے بیشتر انسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے "انفاق فی سبیل اللہ" کے باب میں جو اہتمام برتا ہے اُس پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔ اس سلسلے میں آیات قرآنی کو پورا پورا نقل کرنا موجبِ تطویل ہوگا لہذا صرف سورہ کے نام اور آیت کے نمبر کا حوالہ دیا جائے گا۔ قرآن کہتا ہے کہ ایتار زکوٰۃ اسلام (یا بمعنی الاعم) یا دین قیم کا ہمیشہ سے رکن رکین رہا ہے چنانچہ سب سے پہلے خود انبیار سابقین کو ایتار زکوٰۃ کا حکم دیا گیا (انبیار ۷۳) اور اسی کے ساتھ اُمم سابقہ کو خصوصیت سے مامور کیا گیا (بیّنۃ ۵) اسی ایتار زکوٰۃ کا عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا (بقرہ ۸۳) اور اسی شرط پر اُن سے نصرِ الٰہی کا وعدہ کیا گیا تھا (مائدہ ۱۲) اسی وجہ سے اہلِ کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ انفاق فی سبیل اللہ کے بھی عامل تھے انھیں اجر مضاعف کی بشارت دی گئی (قصص ۵۴) جب اسلام مدینہ منورہ میں پہنچا تو اس نے یہود مدینہ کو بھی دوسرے ارکانِ دین کے ساتھ اسی ایتا

زکوٰۃ کی دعوت دی (بقرہ ۴۳) اور اسی ایتاء زکوٰۃ کو یہودی راسخین فی العلم کی عذاب الیم سے شرط نجات کا جزو بتایا گیا (النساء ۱۶۳)

اسلام نے اپنی مکی زندگی میں انفاق فی سبیل اللہ کی خصوصیت سے تعلیم دی۔ بعثت اسلام سے پیشتر عرب جاہلیت میں بھی سخاوت زندگی کی اعلیٰ اقدار میں محسوب ہوتی تھی اور اسی تناسب سے بخل مذموم سمجھا جاتا تھا، زہیر بن ابی سلمیٰ اپنے ممدوح حارث بن عوف اور ہرم بن سنان کی تعریف میں کہتا ہے

عظیمین فی علیا معد ھدیتما   ومن یستبح کنزاً من المجد یعظم

اسی طرح بخل کی مذمت میں سموئل بن عادیا کا یہ شعر عرب کے اخلاقی تصور کا آئینہ دار ہے۔

اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضہ   فکل رداء یرتدیہ جمیل

مگر اس میں ایک قباحت تھی۔ اہل کرم صرف نام و نمود اور فخر و جاہ طلبی کے لئے داد و دہش کیا کرتے تھے لیکن یہ چیز جو بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے ایک صحت مند معاشرے کے لئے سم قاتل ہے۔ ترفع ذات، جاہ طلبی اور خود نمائی کے علاوہ سخاوت کا ایک اجتماعی پہلو بھی ہے کہ معاشرے کے اقتصادی استحکام کے لئے اُس کی اشد ضرورت ہے اور اس سے بھی زیادہ اہم اُس کا دینی پہلو ہے جو تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے جود و سخا و ایثار و قربانی کے اس پہلو سے اپنے مخاطبین کو آشنا کرایا اور اس فضیلت انسانی کو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ کے ساتھ منسلک کر دیا (لیل ۴-۱۱-۱۴-۲۱) اُس نے یتامیٰ و مساکین اور بے نوا ناداروں کے اکرام و اطعام کی ترغیب دلائی۔ (فجر ۱۷-۱۸، ماعون ۱-۳۔ الحاقہ ۳۴) انفاق فی سبیل اللہ کے باب میں کفار کو اُن کی کوتاہی پر جھنجھوڑا (یٰسین ۴۷) مشرکین کے قبائح و فضائح میں شرک و انکار آخرت کے بعد سب سے زیادہ قبیح جرم اُن کا زکوٰۃ نہ دینا تھا، اس پر انھیں عذاب الیم سے ڈرایا (فصلت ۷) اس کے ساتھ مومنین کی مدح سرائی کی جن کا امتیازی وصف انفاق فی سبیل اللہ اور ایتاء زکوٰۃ تھا (فاطر ۲۹ نحل ۲، شوریٰ ۳۸، سجدہ ۱۶) یہی چیز اُن کے زمرۂ محسنین میں محسوب ہونے کی شرط تھی (لقمان ۴) اور فلاح دارین کی ضامن (مومنون ۴) اس

لئے اُس نے مختلف انداز میں اس ملکہ ضابطہ کو اپنے متبعین کے مزاج میں راسخ کرنے کے لئے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی (نحل ۷۵، ابراہیم ۳۱، روم ۳۹)

یہ مسئلے کا اخلاقی پہلو ہے لیکن ہر اخلاقی ملکہ کا ایک قانونی مظہر بھی ہوا کرتا ہے۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کی نہ جان محفوظ تھی نہ مال۔ وہ منظم اجتماعی زندگی کے سکون سے محروم تھے اور ان پر اشاعتِ دین کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانی ضروری تھی۔ ذوی القربیٰ، مساکین اور ابن السبیل کے حقوق کی ادائیگی واجب تھی (اسراء ۲۶، روم ۳۸) اس کے علاوہ سائلین و محرومین کا حق بھی اُن کے مال میں ثابت تھا (ذاریات ۱۹، معارج ۲۴، ۲۵) غرض اُن پر فرض تھا کہ حاجاتِ ضروریہ سے زائد مال کو راہِ خدا میں صرف کر دیں چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں ہے :۔

"ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو
ای الفضل یعنی انفقوا ما فضل عن
قدر الحاجۃ ولا تنفقوا ما تحتاجون
الیہ ولا تمسکوا سوی قدر الحاجۃ
فی البیوت ۔۔۔۔۔ وکان التصدق
بالفضل عن القوۃ فی اول الاسلام
فرضا ثم نسخ بآیۃ الزکوۃ وتقرر
ربع العشر فی المال کذا فی الحسینی
والزاہدی والمدارک "
(تفسیرات احمدیہ صفحہ ۶۷)

اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں
تو فرما دیجئے العفو یعنی فضل و بقایا جس کا مطلب
یہ ہے کہ خرچ کرو جو تمھاری حاجاتِ اصلیہ سے بچ
رہے اور نہ خرچ کرو وہ جس کی تمہیں حاجت ہے اور
نہ روک رکھو گھروں میں سوائے مقدار ضروری حاجت
کے ۔۔۔۔۔۔ اور ابتدائے اسلام میں قوت ضروری
کے سوا بقایا اور فضل کو صدقہ کر دینا فرض تھا پھر آیۂ
زکوٰۃ سے منسوخ ہو گیا اور چالیسواں حصہ مال میں
مقرر ہوا جیسا کہ تفسیر حسینی و زاہدی و مدارک میں
ہے ۔

اسی طرح ابو القاسم ہبۃ اللہ نے "الناسخ والمنسوخ" میں لکھا ہے۔

" قولہ تعالیٰ یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو ۔ ومعنی العفو الفضل من المال وذالک ان اللہ تعالیٰ فرض علیھم الزکوۃ اذا کان للانسان مالا یمسک ومن

درہم او قیمتہ من الذہب ویتصدق بما بقی وقد قیل یمسک ثلث مال وقال آخرون ان کان من اہل زراعۃ الارض وعمارتہا امرھم ان یمسکوا مایقیتہم حولاً ویتصدقوا بما بقی وان کان ممن یلی بیدہ امسک مایقوتہ یومہ ویتصدق بما بقی فشق ذالک علیہم فامر اللہ تعالیٰ بالزکوٰۃ ففرض فی الاموال التی ھی الذہب والفضۃ اذا حال علیہا الحول ربع عشر اذا بلغ من الذہب عشرون دینارا نصف دینار ومن الورق مائتی درہم فیکون من کل مائتی درہم خمسۃ دراہم واسقط عنہم الفضل فی ذالک فنزلت ایۃ الزکوٰۃ وھی قولہ تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرھم وتزکیہم بہا

(اسباب النزول للواحدی صـ۲۲ و صـ۲۲ حاشیہ)

لیکن جب مدینہ منورہ آکر مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کا سکون نصیب ہوا تو زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی اخلاقی اور قانونی حیثیتیں متعین کی گئیں، سنہ ۲ھ میں انفاق فی سبیل اللہ کی ایک کم سے کم مقدار معاشرے کے اقتصادی استحکام کے پیش نظر اغنیاء پر فرض کردی گئی جو زکوٰۃ ہے۔ اس سے زائد لوجہ اللہ الکریم (تطوع) وہ جو بھی اور جس طرح خرچ کرنا چاہیں ان کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا اول الذکر کا نام زکوٰۃ اور صدقہ ہے اور ثانی الذکر کا انفاق فی سبیل اللہ۔ اول الذکر کے وجوب نے ثانی الذکر کے وجوب کو منسوخ کردیا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے

"نسخت الزکوٰۃ کل صدقۃ"

با ایں ہمہ انفاق فی سبیل اللہ اب بھی مردِ مومن کا امتیازی وصف تھا (انفال ۳، حجرات ۱۵) اسی پر تقویٰ و فوزانِ اُخروی کا مدار تھا (بقرہ ۳ آل عمران ۱۳۴، رعد ۲۲، حج ۳۵) چنانچہ قرآن ہر طرح سے مؤمنین کو اس کی ترغیب دیتا ہے (بقرہ ۲۶۱-۲۷۴، آل عمران ۱۸۰، نساء ۳۶، ۳۹، حدید ۱۰، محمد ۳۸، صف ۱۰، ۱۲، توبہ ۳۵، ۷۱) بلکہ اکثر انھیں وہ اُس کا بصیغۂ امر حکم

دیتا ہے (بقرہ ۱۹۵، حدید ۷، منافقون ۱۰)

انفاق فی سبیل اللہ کی اقل مقدار مفروضہ زکوٰۃ ہے لیکن اس کی کماحقہ بجا آوری بھی بر و نیکوکاری کا جزو ہے (بقرہ ۱۷۷، ۲۷۷، نور ۳۷، مائدہ ۵۵، توبہ ۷۱)

لیکن یہ تو زکوٰۃ مفروضہ کی اخلاقی حیثیت ہے اُس کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ وہ اسلامی معاشرے اور اسلامی نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے اور اسی لئے قرآن اُسے شرطِ ایمان میں محسوب کرتا ہے اور اس کے التزام کے بعد ہی ایک انسان اسلامی برادری میں داخل ہو سکتا ہے (توبہ ۱۱) اسی لئے اسلام پہلے دن سے اس کے قانونی وجوب پر زور دیتا ہے (بقرہ ۱۱۰، نساء ۷۷، نور ۵۲، حج ۷۸، مجادلہ ۱۳)

مدینہ منورہ میں اجتماعی زندگی کی تاسیس کے کچھ ہی عرصہ گذرنے کے بعد زکوٰۃ فرض کی گئی جس کا مقصد معاشرے کے استحکام کے لئے دولت کی ایک معقول مساوی تقسیم کا انتظام کرنا تھا جس کے فلسفہ کو امام ابن جریر طبری کی طرح اور کسی نے نہیں سمجھا، قاضی ابن العربی نے کہا ہے

"وما فهم المقصود احد فهم الطبری فانه قال الصدقة لسد خلة المسلمين او لسد خلة الاسلام" (تفسیر احکام القرآن لابن العربی جلد اول صفحہ ۳۹۳)

اسی طرح شمس الائمۃ السرخسی نے بار بار المبسوط میں کہا ہے کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا مقصد "اغناء محتاج" اور "سد خلة المحتاج" ہے۔

"ولان المقصود اغناء الفقير .... وربما يكون سد الخلة باداء القيمة اظهر"

[المبسوط للسرخسی جزو ثانی صفحہ ۱۵۸]

"ولان وجوب الزكوٰة لمواساة الفقراء" (ایضاً صفحہ ۱۶۵)

"لان ما هو المقصود وهو سد خلة المحتاج قد حصل" (ایضاً صفحہ ۱۸۱)

"وقد بينا ان المقصود اغناء المحتاج" (المبسوط جزو ثالث صفحہ ۱۰)

"الا ترى ان الله تعالىٰ ذكر الاصناف باوصاف تنبئ عن الحاجة فعرفنا ان المقصود

سد خلة المحتاج ؛ [المبسوط للسرخسی جز ثانی صلا]

"وهذا الحصول المقصود به وهو اغناء المحتاج"

لہٰذا سماج کے نادار طبقہ کا کم سے کم حق (زکوٰۃ) اغنیار کے مال میں ثابت گردانا گیا۔ پھر ۲ھ سے جب کہ زکوٰۃ شرعاً فرض ہوئی نزول آیت "انما الصدقات للفقراء" تک ادائے زکوٰۃ کی جو بھی شکل رہی ہو لیکن مؤخر الذکر آیت کے نزول نے مصارفِ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اُس کے طریق ادا کو بھی متعین کر دیا کہ ادائے زکوٰۃ کی تکمیل تملیک فقیر کی مقتضی ہے اور ارشادِ نبوی نے نہ صرف عملاً بلکہ قولاً بھی اس کی توضیح کر دی۔

اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (باقی آئندہ)

تفسیر مظہری

علماء، طلباء، اور عربی مدرسوں کے لئے شاندار تحفہ

مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے "تفسیر مظہری" تفسیر کی تمام کتابوں میں بہترین سمجھی گئی ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اپنی مثال نہیں رکھتی، یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی۔ امام وقت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا یہ عجیب و غریب نمونہ ہے۔

اس بے مثال کتاب کا پورے ملک میں ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا شکر ہے کہ برسوں کی جد و جہد کے بعد آج ہم اس لائق ہیں کہ اس متبرک کتاب کے شایع ہونے کا اعلان کر سکیں تمام جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد: جلد اول سات روپے۔ جلد ثانی سات روپے۔ جلد ثالث آٹھ روپے۔ جلد رابع پانچ روپے جلد خامس سات روپے۔ جلد سادس آٹھ روپے۔ جلد سابع سات روپے۔ جلد ثامن سات روپے۔ جلد تاسع پانچ روپے۔ جلد عاشر پانچ روپے۔ ہدیہ کامل ۱۰ جلد چھیاسٹھ روپے۔ رعایتی ساٹھ روپے۔